R. No. 2180/57

Regd. No. 922

انجمن ترقی اردو (ہند) کا ہفتہ وار اخبار

ہماری زبان

Tele. No. 29
Telegrams
"ANJUMAN"

جلد ۲۲ ۔ شمارہ ۲۴

ایڈیٹر ۔ آل احمد سرور

۲۲ جون سنہ ۱۹۶۳ء

حیات اللہ انصاری

اُردو رسم خط اور املا کی اصلاح کے بارے میں چند تجویزیں

نوبے تکلس اور منطق کے لحاظ سے اُردو رسم خط اور املا میں اصلاحوں کی بہت گنجائش ہے۔ مثلاً ایک مسئلہ ہے یکساں آواز والے حرفوں کا جیسے ز، ذ، ز، ض، ظ۔ سوال یہ ہے کہ جب اُردو میں ان سب کی آوازیں ایک ہیں تو اتنے حرف رکھنے کی کیا ضرورت؟ دوسرا مسئلہ ہے عربی والے الف لام کی کتابت کا کہ جب ایک جگہ الف، اور دوسری جگہ الف اور لام دونوں پڑھنے میں نہیں آتے ہیں تو ان کو لکھا کیوں جائے؟ لیکن یہ باتیں ایسی ہیں کہ اگر ان اصلاحوں کو انجمن ترقی اُردو کے ممبر تسلیم بھی کر لیں تو بھی ان کا رواج دینا بے حد مشکل ہے۔ اس لئے رسم خط اور املا کے مسئلے کے ایسے پہلوؤں کو زیر بحث لانا لاحاصل ہوگا۔

ان مسئلوں کے برخلاف بہت سے مسائل ایسے ہیں جو عرصے سے اُردو طالب علموں، اُردو کے ٹیچروں، رسالوں اور کتابوں کے پبلشروں کو تنگ کر رہے ہیں اور ان کے لئے زبردست اُلجھن بن چکے ہیں۔ اگر ان کو کسی طرح حل کر دیا جائے تو وہ (رسم خط) ضرور مقبول ہو جائے گا۔

رسم خط اور املا کا بہت گہرا تعلق چھپائی کے طریقے سے ہے چھپائی کا جو طریقہ قبول کر لیجئے وہ پھر رسم خط پر اپنا اثر ڈالتا رہتا ہے اور حروف کی شکلوں اور جوڑوں کو اپنے انداز میں بدلتا رہتا ہے۔ ہم نے جو طریقہ قبول کیا ہے وہ سراسر افراد کے مزاج اور ان کے ہاتھ کا محتاج ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ شوشے، نقطے، دائرے، مرکز ان میں سے کسی چیز کی بھی معیار بندی نہیں ہوئی۔ لیکن چونکہ مذکورہ طریقہ بہت کارآمد اور سستا تھا اس وجہ سے چلتا رہا۔ لیکن اب چھپائی وان ڈائک اور فوٹو آفسٹ کی طرف جا رہی ہے۔ کیونکہ اخباروں اور پرچوں کو تیز رفتاری کی اور زیادہ کاپیوں کی ضرورت ہو رہی ہے اور یہ کام معمولی لیتھو سے نہیں لیا جا سکتا ہے۔ تیز اور یکساں کتابت کا مطالبہ کرتے ہیں۔ یعنی حالات اُردو کو اس جگہ لے آئے ہیں جہاں کسی نہ کسی حد تک کتابت کی معیار بندی اور مشین بندی کی ضرورت کا احساس ہونے لگا ہے۔ اب اگر اس معاملے میں اُردو کی مدد کی جائے تو وہ آسانی سے اس اسٹیج سے آگے نکل جائے اور ترقی کی بہت سی منزلیں طے کر لے۔

ڈکشنری میں املا و تلفظ اسی طرح بعض مسئلے ایسے ہیں کہ بلا ان کے حل کئے بہت سے کام رک جاتے ہیں۔ ان مسئلوں میں سب سے اہم مسئلہ یہ ہے کہ بعض الفاظ کے تلفظ کو ڈکشنری میں کیسے لکھا جائے کہ وہ بتمام و کمال ادا ہو جائے۔ مثلاً چیل پیل اور بل ل کے زیر ہیں جن میں سے ایک خفیف ہے اور دوسرا ثقیل۔ ان کو کیسے لکھا جائے؟ یا بعض انگریزی الفاظ ہیں جو ادا کئے جاتے ہیں بالکل انگریزی کا تلفظ میں، لیکن اُردو رسم خط میں لکھے نہیں جا سکتے ہیں۔ جیسے "بوائے" نیز ناولوں اور افسانوں میں "ہوٹل" کے سلسلے میں یہ لفظ لکھا جاتا ہے اور عام زندگی میں انگریزی جاننے والے اس کا صحیح تلفظ ادا کرتے ہیں لیکن اس تلفظ کو اُردو میں لکھا نہیں جا سکتا ہے۔ اُردو کے حلقے میں بہت سے کرسچین بھی ہیں ان میں سے بہت سے ایسے ہیں جن کا نام اُردو رسم خط میں لکھا ہی نہیں جا سکتا ہے۔ اسی طرح جن ہندوؤں کے ناموں میں ڈال ہیں ان کو صحیح تلفظ کے ساتھ نہیں لکھا جا سکتا ہے۔

اصلاحی تجویزیں اس سلسلے میں چند تجویزیں ہیں:

اعراب میں بعض اصطلاحیں رائج کی جائیں۔

(۱) الف، واؤ اور یے سے پہلے کسی حرکت کی ضرورت نہیں، جیسے الف با، جیسے واؤ بو اور جیسے یے بی ہونا ضروری ہے۔ کیونکہ الف ہوتا ہی ہے دُہرا زبر، پھر اس کے ساتھ ایک اور زبر کی کیا ضرورت؟ یہی حالت واؤ اور یے کی ہے کہ وہ دُہرا پیش اور دُہرا زیر ہوتے ہیں، اس لئے ان کو پیش اور زیر کی ضرورت نہیں۔

(۲) انجمن کے طے کئے ہوئے ان قاعدوں پر زور دیا جائے۔

ثقیل یے مکمل شکل میں اس طرح لکھی جائے گی ی

خفیف ے

ماقبل مفتوح ے

(۳) ثقیل یے جب درمیان میں ہو تو اس کے نیچے دو نقطے دینے کے بجائے کھڑا زیر دے دیا جائے ا۔ کھڑے زیر کے استعمال سے لوگ واقف بھی ہیں، اس لئے اس کا مقبول ہو جانا مشکل نہیں۔

ماقبل مفتوح یے جب درمیان میں ہو اور اس کی آواز ظاہر کرنا ہو تو اس کے ماقبل پر زبر دے دیا جائے۔ اس طرح وہ ایک مرکب اعراب ہو جائے گا۔

(۴) ثقیل واؤ اس طرح لکھا جائے وُ

اس اُلٹے پیش سے لوگ کسی حد تک واقف ہیں۔ اس لئے اُلٹا پیش چل سکتا ہے۔

واؤ ماقبل مفتوح کے ماقبل پر زبر دے دیا جائے،

جیسے دَوڑا

جہاں ثقیل زیر ہو وہاں کھڑا زبر دیا جائے۔

اگر کھڑا زیر مع شوشے کے ہوگا تو وہ ثقیل یے ہوگی۔ اور بلا شوشے کے ثقیل زیر ہوگا۔

ثقیل پیش کی آواز کے لئے اُلٹا پیش رکھا جائے، جیسے بُلبُل۔

انگریزی اور ہندی کی طرح اُردو میں بھی ایسے الفاظ موجود ہیں جو سکون سے شروع ہوتے ہیں لیکن اُردو کی گرامر بنانے والے چونکہ عربی سے متاثر تھے اور عربی میں ابتدا بسکون والے الفاظ موجود نہیں ہیں، اس لئے وہ اُردو میں اس حرکت کو نہ دیکھ سکے۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ ابتدا بسکون اُردو میں پایا جاتا ہے۔

مثلاً کیوں اور کیا ہیں۔ یہ ایک سلیبل کے لفظ ہیں۔ اور اسی طرح وہ شعر میں آتے ہیں، اس لئے ان کا املا کاف مکسور، تہمت یا اور کاف مکسور تہمت یوں نہیں لکھا جا سکتا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ ان میں کاف پوری طرح نہیں بولتا ہے، بلکہ اس طرح بولتا ہے جس طرح انگریزی لفظ Cluck اور Clip میں بولتا ہے۔

مزید وضاحت کے لئے لفظ کیا کی ساخت دیکھئے۔

پہلے پڑھیئے یا۔ اس کے پیچھے ہوئے ی الف یا۔

اب غور کیجئے تو ی کی آواز میں کاف اس طرح مدغم ہو جاتا ہے کہ یہ کہنا مشکل ہے کہ کاف پر کوئی الگ حرکت ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ اس جگہ کاف پر کوئی حرکت نہیں ہے۔ ہندی میں بھی اس لفظ کا بالکل یہی تلفظ ہے اور جہاں اس کو آدھا کاف سے لکھا جاتا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ کاف پر سکون ہوتا ہے۔

اسی طرح کیوں بھی ہے۔ لفظ میاں کے دو تلفظ ہیں۔ ایک تو دو سلیبل والا ہے جس میں میم مکسور ہے اور اس کے بعد پھر یاں ہے۔ دوسرا ایک سلیبل والا ہے جس میں یے کی آواز کے ساتھ میم مخلوط ہو جاتا ہے یعنی یہاں بھی ابتدا بسکون ہے۔

ایسی صورت میں جو حقیقت ہے اسے مان لیا جانا چاہیئے یعنی یہ کہ اُردو میں ابتدا بسکون ہوتی ہے۔

اس بات کے مان لینے سے بہت سے الفاظ کا ڈکشنری میں تلفظ لکھنا آسان ہو جائے گا۔

لفظ کے آخر میں اگر نون غنہ ہو تو اسے نقطہ نہ لگا کر ظاہر کر دیتے ہیں۔ دشواری ہوتی ہے وہاں جہاں وہ بیچ میں ہوتا ہے۔ جیسے جنگل، شنبہ۔

ایسے مقام پر کسی علامت لگانے کی ضرورت ہے۔ لوگوں نے طرح طرح کی علامتیں پیش کی ہیں۔ میرے خیال میں ہلال کا نشان بہت مناسب رہے گا۔ کیونکہ وہ چندر ہندی سے ملتا جلتا ہے اور چندر ہندی سے بہت لوگ کافی مانوس ہو چکے ہیں۔

چند مسئلے اس سلسلے میں ایسے ہیں جن پر غور کرنا ضروری ہے

خود، خواب، خوش،

اس کے واؤ کو رکھا جائے یا نکال دیا جائے؟

جنگل، منگل، دنگل، کنگھا

الفاظ دو سلیبل کے ہیں۔ لیکن پہلا سلیبل نون غنہ پر نہیں ختم ہوتا ہے جیسا کہ گونگا میں ختم ہوتا ہے۔ بلکہ پہلے سلیبل میں نون غنہ کے بعد ذرا سا کاف بھی نکلتا ہے۔ لیکن وہ کاف اتنا مختصر ہوتا ہے کہ اگر کاف پر تشدید دے دو تو اس سے جو کاف ادا ہوگا اس کا تلفظ پہلے سے ثقیل اور طویل ہو گا۔ سوال یہ ہے کہ اس مختصر کاف کو کیسے ادا کیا جائے۔

ماں۔ یاں۔ اس قسم کے الفاظ میں نون غنہ آخر میں نہیں شروع ہی سے ادا ہوتا ہے۔ اس حساب سے ان کو لکھا غلط جاتا ہے۔ ان کے بارے میں کیا کہا جائے؟

مرکب اعراب مرکب اعراب اردو میں باقاعدہ استعمال ہوتے ہیں لیکن ان کو پوری طرح تسلیم نہیں کیا گیا ہے مثلاً نیولا۔ نیو۔ ان دونوں میں یہ اعراب ہیں۔

(۱) ے + و ۲ ـــ ی وُ

اصولی طور پر اگر اردو میں کوئی اعراب دو اعرابوں سے مرکب ہو سکتا ہے تو تین اور چار اعرابوں سے بھی مرکب ہو سکتا ہے۔ یہ بات دوسری ہے کہ اُردو میں تین اور چار سے مرکب اعرابوں کی ضرورت نہیں ہوتی ہے اس لئے وہ استعمال میں نہیں آتے ہیں۔

(باقی صفحہ ۱۱ پر)

ہماری زبان

۲۲ جون ۱۹۶۳ء

املا اور رسم خط کمیٹی

ہماری زبان کی اسی اشاعت میں حیات اللہ انصاری کا ایک مضمون شایع کیا جارہا ہے جس میں انہوں نے اُردو املا اور رسم خط کی اصلاح کے متعلق چند تجاویز پیش کی ہیں۔ جولائی میں انجمن کی رسم خط کمیٹی اس مضمون پر غور کرے گی، لیکن یہ مناسب معلوم ہوا کہ پہلے اس پر اُردو دوستوں کے خیالات معلوم کئے جائیں تاکہ ان کو بھی ملحوظ رکھا جائے۔ اس سلسلے میں یہ بات ذہن میں رکھنا چاہیے کہ فی الحال ہمیں ان لوگوں سے کچھ نہیں کہنا ہے جو یہ سمجھتے ہیں کہ اُردو رسم خط ہر لحاظ سے مکمل ہے اور اس میں کسی اصلاح کی ضرورت نہیں۔ اسی طرح ان سے بھی فی الحال سروکار نہیں جن کا کہنا ہے کہ اُردو رسم خط حد درجہ ناقص ہے اور ہمیں اسے چھوڑ کر رومن یا دیوناگری رسم خط اختیار کرلینا چاہیے۔ ہم یہ مان کر آگے بڑھ رہے ہیں کہ اُردو رسم خط میں بہت سی خوبیاں ہیں مگر موجودہ ضروریات کے لحاظ سے اس میں کچھ اصلاح کی ضرورت ہے۔ ظاہر ہے کہ اصلاح کی کوئی حد ہونی چاہیے اور اصلاح کی ضرورت واضح ہونی چاہیے۔ ہمارا خیال یہ ہے کہ ان بچّوں اور بالغوں کو پڑھانے کے لئے جن کی مادری زبان اُردو ہے جو طریقہ برتا جائے گا وہ اُس سے مختلف ہوگا جو غیر زبان والے کو اُردو سکھانے کے لئے استعمال ہوگا۔ پھر مسئلہ اخباروں، رسالوں، کتابوں کے بڑی تعداد میں اور صحت کے ساتھ چھاپنے کا ہے۔ پھر مسئلہ ٹائپ رائٹر کے لئے حروف اور علامات کا ہے۔ اس مسئلے میں جو بحث ہونی چاہئے اس میں صرف خوبصورتی کو نہیں لانا چاہئے کیونکہ عام طور پر لوگوں کے ذہن میں حُسن کا ایک مانوس تصور ہوتا ہے۔ افادیت بھی حُسن ہے، اس پر غور نہیں کیا جاتا۔ اس لئے املا اور رسم خط کی اصلاح کے سلسلے میں تعلیم اور طباعت کی ضروریات کو سب سے پہلے دیکھنا چاہیے، پھر یہ بھی ملحوظ رکھنا چاہئے کہ اصلاحیں ایسی ہوں جن میں بہت زیادہ خرچ نہ ہو۔ اردو والے طبقہ مالی حیثیت سے ممتاز نہیں ہے۔ اُردو کے اداروں کے مالی وسائل محدود ہیں، اور گو حکومت کو اس سلسلے میں مدد کرنی چاہئے، مگر موجودہ حالات میں اس سے زیادہ توقع نہیں رکھنی چاہئے۔ پھر لوگوں کو ایک مرکز پر لانے میں بھی دشواریاں ہیں۔ مگر عملی تجاویز سامنے آئیں تو یہ ممکن ہے کہ اُردو دوست ان اصلاحوں کے لئے آمادہ ہو جائیں کیونکہ اُن میں حقیقت پسندی آرہی ہے۔

سیربین

آموں کی فصل شروع ہو گئی ہے۔ گہرے سبز پتوں کے درمیان سفیدی مائل، دل کی شکل کے پھل، ارباب ذوق کو بے خود کئے دیتے ہیں۔ لنگڑا بازار میں آگیا ہے۔ چوسنے کی آمد آمد ہے۔ ایسے میں بیساختہ غالب یاد آتے ہیں جن کے لئے آم میں صرف یہی خوبی کافی تھی کہ میٹھا ہو اور بہت ہو۔

اکبر کے بعد الٰہ آباد کے امرود بھی پھیکے ہو گئے، غالب کے بعد آموں کی مٹھاس تو کم نہ ہوئی مگر بہتات واقعی نہیں رہی۔ وجہ یہ ہے کہ بہت بڑا حصہ دہلی، کلکتہ، بمبئی چلا جاتا ہے۔ تھوڑا حصہ ہی چھوٹے شہروں کے رہنے والوں کے لئے بچتا ہے اور وہ بھی خاصا مہنگا بکتا ہے۔ خدا امراء جی کا بھلا کرے، آموں کے ساتھ اب کے انصاف کیسے ہو گا۔

میں ایک دفعہ آموں کی فصل میں بنارس کے اسٹیشن سے گزرا۔ گاڑی رکی تو دیکھا کہ نہایت اچھے بنارسی لنگڑے بک رہے ہیں۔ دام پوچھے تو ہمت پست ہو گئی، روپے کے دو۔ میرے بعد ہی ایک اور صاحب آئے اور انھوں نے نہایت اشتیاق سے بھاؤ معلوم کیا۔ بیچنے والے نے نہایت بے نیازی سے یہی دام بتائے۔ اُن صاحب کا چہرہ یہ سُنتے ہی سُت گیا۔ خاموشی سے آموں کو تکنے لگے۔ آم والا آگے بڑھ گیا۔ اتنے میں ہمارے سامنے گاڑی کی چھت سے ایک جناوری بندر کودا، ایک آم ایک ہاتھ میں اور ایک دوسرے میں اُٹھایا اور یہ جا وہ جا۔ اب آموں والے کا چہرہ دیکھنے کے قابل تھا۔ جن صاحب نے میرے بعد دام پوچھے تھے وہ یہ منظر بڑی دلچسپی سے دیکھ رہے تھے۔ بہت محظوظ ہو کر انہوں نے میری طرف دیکھا اور پھر بولے۔ ”بندر کو شاید بھاؤ معلوم نہیں تھا، ورنہ اس کی ہمت لے جانے کی نہ پڑتی۔“

آج کل بڑے لوگ آم چمچے سے کھاتے ہیں۔ گویا آم نہ ہوا دلیا ہو گیا۔ ارے صاحب تخمی آم اور سفیدہ تو چوسنے کی چیز ہے، لنگڑے، دسہری، چوسنے کو تراشنا چاہیے۔ اُس کی قاشوں کا گہرا سنہرا رنگ سبز چھلکے کے ساتھ کیسا بھلا معلوم ہوتا ہے۔ میں کسی کو چمچے سے آم کھاتے دیکھتا ہوں تو یہ محسوس ہوتا ہے کہ شربت میں ہاتھ گھنگھول رہا ہے۔ صرف آم ہی ایک ایسا پھل ہے جس سے سارے حواس کی بالیدگی ہوتی ہے۔ جب

ہندوستان میں آم اور مہوبے کا پان ملتا ہے، ہندوستانیوں کے جمالیاتی ذوق کی طرف سے اطمینان ہے۔

قومی جھنڈا، قومی ترانہ، قومی زبان، قومی لباس، اس کے متعلق تو اقدامات ہو چکے۔ قومی چڑیا بھی طے ہو گئی مگر شاید ابھی قومی پیڑ، قومی پھول اور قومی پھل کے متعلق فیصلہ نہیں ہوا۔ ہماری رائے یہ ہے کہ اشوک کو قومی پیڑ، کنول کو قومی پھول اور آم کو قومی پھل قرار دیا جائے۔ ہمیں یقین ہے کہ آم کے حق میں متفقہ فیصلہ ہوگا۔ دوسرے امور پر بحث ہو سکتی ہے۔

"ہندی کو جہنم میں جانے دیجئے" کہنے کے الزام میں ڈاکٹر لوہیا کے خلاف دعویٰ

الہ آباد۔ ۱۵؍ جون۔ رادھے لال سریواستوا نامی ایک شخص کی طرف سے تعزیرات ہند کی دفعہ ۲۹۸ (مذہبی جذبات کو مجروح کرنا) کے تحت سوشلسٹ لیڈر ڈاکٹر رام منوہر لوہیا کے خلاف جو دعویٰ دائر کیا تھا وہ کل جوڈیشیل مجسٹریٹ مسٹر سرالقمو کی عدالت میں داخل کر لیا گیا ہے۔ یہ دعویٰ ۲۳؍ مئی کو ایک مقامی انگریزی روزنامہ "لیڈر" میں ڈاکٹر لوہیا کے بیان سے منسوب ایک مبینہ خبر کے متعلق ہے جس میں انہوں نے کہا تھا کہ "ہندی کو جہنم میں جانے دیجئے"۔ عدالت نے فوجداری قانون کی دفعہ ۲۰۰ کے تحت درخواست دہندہ کا بیان قلم بند کرنے کے لئے ۱۷؍ جون کی تاریخ مقرر کی ہے۔ (سیاست جدید)

اردو ہال میں سکندر علی وجد کا خیر مقدم

حیدرآباد۔ ۱۱؍ جون۔ مشہور و ممتاز شاعر سکندر علی وجد کے خیر مقدم کے لئے آج اردو ہال میں ایک خیر مقدمی جلسہ ہوا۔ مقامی شعراء نے اپنا کلام سنایا۔ بعد ازاں مہمان شاعر سکندر علی وجد نے اپنی تازہ نظمیں اور غزلیں سنائیں اور بے پناہ داد حاصل کی۔ (ملاپ حیدرآباد)

ہمدرد میں ظ انصاری کے اعزاز میں ادبی نشست

۱۳؍ جون۔ ایجوکیشنل کلاسز یونین ملازمین ہمدرد وقف دلی کے زیر اہتمام ہمدرد منزل میں ایک ادبی نشست منعقد ہوئی۔ ظ صاحب نے جدید شاعری اور اس کے مسائل پر تقریر کی اور شاعروں پر زور دیا کہ وہ زندگی اور سماج کے جدید رجحانات اور نئے تقاضوں کو پورا کرنے کی کوشش کریں۔

جامعہ کے اردو کے امتحانات مدھیہ پردیش بورڈ نے تسلیم کر لئے

علی گڑھ۔ ۱۵؍ جون۔ مدھیہ پردیش سکنڈری ایجوکیشن بورڈ نے جامعہ اردو کے امتحانات کو تسلیم کر لیا ہے۔

ادیب پاس شدہ امیدوار مدھیہ پردیش بورڈ کے ہائی اسکول (انگریزی) اور ادیب ماہر پاس شدہ انٹرمیڈیٹ (انگریزی) میں شرکت کا مجاز ہے۔ ادیب کامل اور بی اے صرف انگریزی میں پاس شدہ امیدوار سکنڈری ایجوکیشن بورڈ مدھیہ پردیش کے سکنڈری اسکولوں میں بحیثیت اردو ٹیچر مقرر کئے جانے کا مجاز ہے۔ (قومی آواز)

گوا میں اردو ایسوسی ایشن کا قیام

گوا کی آزادی کے فوراً بعد ہی اردو داں حضرات نے گوا میں اردو کے معیار کی پستی کا احساس کر کے عزم و حوصلے کے ساتھ یکم جون ۱۹۶۲ء کو گوا میں اردو ایسوسی ایشن کی بنیاد ڈالی۔ چنانچہ کارکنان نے ایک سال کے اندر بڑی مستعدی اور مستقل مزاجی سے قابل قدر خدمات انجام دیں جن میں سے ہائی اسکول کے لئے فنڈ جمع کرنے کی جدوجہد، اسکول کی عمارت کے لئے اراضیات کی خریداری، اور لائبریری کے قیام کی کوششیں شامل ہیں۔ اسی سلسلے میں ایک تعلیمی وفد نے بمبئی کا دورہ بھی کیا۔ مقامی حضرات نے ممبران ایسوسی ایشن کی مخلصانہ سرگرمیوں کے ساتھ ہر قسم کے تعاون کا یقین دلایا۔

اردو مکتب اور مدرسے

حافظ مسعود صاحب، جنرل سکریٹری انجمن ترقی اردو شاخ گیا، اطلاع دیتے ہیں کہ انجمن کی طرف سے عنقریب ضلع گیا کے ان تمام علاقوں میں جہاں اردو والوں کی آبادی ہے، مقامی ایم ایل اے اور دوسرے سرکردہ افراد کی نگرانی میں ایک وفد بھیجا جا رہا ہے۔

یہ وفد ان علاقوں میں اردو زبان و ادب کی ترقی و ترویج کے سلسلے میں مقامی حالات کا جائزہ لے گا، نئے اردو مکتب اور مدرسے قائم کرنے کے امکانات پر غور کرے گا۔ انجمن اس بات کی کوشش کر رہی ہے کہ نئے سال سے ان مقامات میں اردو کے ذریعہ تعلیم و تدریس کا خاطر خواہ نظم ہو جائے۔

ضلع گیا کی ان تمام شاخوں نیز ان مختلف علمی، ادبی اور مذہبی اداروں سے گزارش ہے کہ انجمن کے اس اہم تعمیری کام میں اس کا ہاتھ بٹائیں، اور اپنے علاقے میں اردو مکتب و مدرسہ کی صورت حال سے جلد از جلد صدر دفتر گیا کو مطلع کریں۔

سید حرمت الاکرام

افسانہ باندازِ دگر

جاگ بھی جاؤ کہ ہوتا ہے سفر کا آغاز
جاگ بھی جاؤ کہ پیلائیں حسیں راہوں کی
اپنی دلدار اداؤں کی قسم دیتی ہیں
اپنی زلفوں کو نئے خم سے خم دیتی ہیں

شمعیں دیکھیں پہ دانجم کی طرب گاہوں کی
ساعتیں چونک اُٹھیں اک نئی کروٹ لے کر
گنگناتی ہوئی بڑھتی ہے جرس کی آواز
جاگتے قدموں کی عہد آفریں آہٹ لے کر
زندگی اور ہوئی شعلہ نظر، عشوہ طراز!

جاگ بھی جاؤ کہ وقتِ گذراں کی رفتار
ایک افسانہ باندازِ دگر کہتی ہے
جاگ بھی جاؤ کہ لمحوں کی پُر افسوں جھنکار
ایک افسانہ بعنوان سحر کہتی ہے
جاگ بھی جاؤ کہ ہوتا ہے سفر کا آغاز
زندگی اور ہوئی شعلہ نظر، عشوہ طراز!

رحمٰن جامی

ذہن و دل

دل کی پگلی باتیں سُن کر
ذہن میرا مسکائے
ناداں ہو تم ناداں ہو تم
کہہ کہہ کر سمجھائے
دل ہے لیکن ہٹ کا پکا
ذہن کے بس میں نہ آئے

اپنی راہ پہ دونوں قائم
جیسے بے کل سائے
دونوں روٹھے اس صورت سے
مُنہ نہ کوئی دکھلائے

رات کو سپنا دیکھ کے سوتا
اُٹھ کر دوڑا آئے
یار مرے تعبیر بتاؤ
اپنے کیوں ہیں پرائے

یہ دنیا کی ریت ہے پیارے
نیائے بھی ہے انیائے
تم اک پاگل میری نہ مانے
کون تمھیں سمجھائے

ذہن سویرے دل کو ڈھونڈے
کہیں نہ اُس کو پائے

رات کو دل نے اُس کے دوارے اپنی جان گنوائی
جس کا سپنا دیکھا تھا تعبیر اس کی بن آئی

غزلیں

شادؔ عارفی

راحت ملی، نہ کاوشِ عزمِ سفر گئی
منزل اگر یہی ہے تو دل سے اُتر گئی

میرا خیال تھا کہ دُعا بے اثر گئی
لیکن پتہ چلا کہ وہاں کام کر گئی

دشمن چھپے ہوئے تھے جہاں تاک میں وہاں
میری نظر گئی نہ تمہاری نظر گئی

مشروطِ زلفِ دوست ہے برہم خیالِ یار
چاہا سنور گئی جو نہ چاہا بکھر گئی

بے ساختہ گمان "کسی کی" طرف گیا
جب دل کو گدگدا کے نسیمِ سحر گئی

مجھ بن مرا مذاق اُڑانے کے واسطے
ہر مہ جبیں "... نقاب اُٹھا کر ٹھہر گئی

یہ اشک آندھیں، بہیں گے اسی طرح
ایسی ندی نہیں جو چڑھی اور اُتر گئی

اُلفت میں بدسلوکیِ احباب کیا کہیں
بگڑی ڈھلی، رواجِ زمانہ کے سر گئی

رُجحان جن کے رنگ سے آگے نہ بڑھ سکے
آنکھوں میں اُن کی نکہتِ گُل چھل بھر گئی

اگلی خزاں سے قطع توقع نہ کیجیے
اب کی بھری بہار اگر "بے ثمر گئی"

اے شادؔ تجھ کو حبِّ وطن کے لحاظ سے
کہنا یہی پڑے گا کہ اچھی گزر گئی

حمید منشاء الرحمٰن خاں منشاؔ

گُل زخم کو، آنسو کو گہر ہم نے کہا ہے
ہر عیبِ محبت کو ہنر ہم نے کہا ہے

رعنائیِ جلوہ کو بصد حسنِ تیقن
خود اپنا ہی اک عکسِ نظر ہم نے کہا ہے

کچھ بات تو ہے جس کے سبب سارے جہاں میں
اے دوست تجھے رشکِ قمر ہم نے کہا ہے

کہنے کو رہِ شوق میں راہی تو بہت تھے
منزل کو مگر گردِ سفر ہم نے کہا ہے

ہو جس سے غمِ تیرگیِ شب کا مداوا
ایسے ہی اُجالوں کو سحر ہم نے کہا ہے

حق گوئی کا انجام سمجھتے ہوئے منشاؔ
جو کہنا تھا بے خوف و خطر ہم نے کہا ہے

کرشن موہن

بے معنی لفظوں کا سوانگ
اُلجھیں یہ زلفیں یہ مانگ

کچھ تو کہو گلشن والو
خارِ سخن ہو یا گلبانگ

چاند پہ اپنا گھر ہو گا
باقی ہے بس ایک چھلانگ

ساجن تیری چاہت میں
ہم نے بھرے ہیں کتنے سوانگ

انساں چاند اور سورج کو
لے نہ کہیں چھینکے پر ٹانگ

کوئی نہیں سُنتا میری
دیتا ہوں صحرا میں بانگ

اُجیارا ہے دور ابھی
پہلے اندھیارا تو پھلانگ

تیرا بھی تو نام ہے کرشن
موہن تو بھی رچ لے سوانگ

مراسلات

معظم جاہ اور حیرت بدایونی

جناب ابن علی صاحب کی روایت سے یکم مئی سنہ ۱۹۶۳ء کے "ہماری زبان" میں میرے متعلق جو لکھا گیا ہے کہ میں معظم جاہ کے درباری مصاحبوں میں تھا یہ بالکل غلط ہے معظم جاہ کے دربار اور مصاحبت سے میرا کبھی کوئی تعلق یا ربط نہیں رہا۔

غالباً ابن علی صاحب کو غلط فہمی ہوئی۔ کیوں کہ میرا تعلق مہاراجہ سرکشن پرشاد کی پیشی سے بحیثیت ملازم باب حکومت رہا ہے۔ اور میں نے مہاراجہ آنجہانی کے ساتھ شب و روز ان کی ڈیوڑھی میں مقیم رہ کر لگ بھگ پندرہ سال گزارے ہیں۔ نواب مہدی نواز جنگ بہادر باب حکومت کے معتمد تھے انھوں نے مجھے باب حکومت میں ملازمت بھی دی اور مہاراجہ بہادر کی مصاحبت سے منسلک رہنے کی بھی اجازت دے دی۔ براہ کرم اس کو شایع فرما دیا جائے تاکہ قارئین کی غلط فہمی دور ہو۔

حیرت بدایونی

(معظم پورہ۔ حیدرآباد دکن)

شاہ نیاز سرہندی کا دیوان

۸ جون کے "ہماری زبان" میں جناب خاور جمیل پوری کا مراسلہ نظر نواز ہوا۔ دیوان نیاز کے جس اڈیشن کا تذکرہ جناب خاور صاحب نے اپنے مراسلہ میں کیا ہے اس کا ایک نسخہ میرے پاس بھی ہے۔ یہ اڈیشن بارہواں نہیں بلکہ دسواں ہے۔ اس دیوان کے دوسرے ٹائٹل پیج پر نیچے صاف لکھا ہوا ہے:

بار دہم　　سنہ ۱۹۳۶ء

خاتمۃ الطبع کی اصل فارسی عبارت سے جو درج ذیل ہے یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ اڈیشن بار دہم بماہ فروری سنہ ۱۹۳۶ء طبع ہوا تھا۔

خاتمۃ الطبع

ہزاراں ہزار نیاز بحضرت خداوند بے نیاز و کارساز کہ کلام عرفاں طراز یعنی ہر دو دیوان فارسی و اُردو جناب شاہ نیاز احمد صاحب نیاز رحمۃ اللہ تعالیٰ در مطبع منشی نول کشور واقع لکھنؤ محلہ حضرت گنج۔

بسرپرستی عالی وقار والا تبار
جناب منشی رام کمار صاحب بھارگو مالک مطبع دام اقبالہ
بار دہم بماہ فروری سنہ ۱۹۳۶ء طبع گردید و از حقیقت پیرایۂ مجاز
پوشید

اس سلسلے میں اقبال کرشن صاحب کا مراسلہ بھی نظر سے گذرا

(۱) تاشقندی مخطوطے کا مصرع

ممکن نہیں جو پھر بنے یہ گھر گھسا ہوا

اور نول کشور اڈیشن سنہ ۱۹۱۲ء کا یہ مصرع

ممکن نہیں جو پھر بسے یہ گھر گھسا ہوا

نول کشور اڈیشن سنہ ۱۹۳۶ء میں یوں ہے۔

ع: ممکن نہیں جو پھر بسے یہ گھر گرا ہوا

(۲) تاشقندی مخطوطے کا یہ مصرع

نہ کوئی اُس کے ماسوا دیکھا

اور نول کشور اڈیشن سنہ ۱۹۱۲ء کا یہ مصرع

نہ کوئی اُس کا ماسوا دیکھا

نول کشور اڈیشن سنہ ۱۹۳۶ء میں یوں ہے

ع: نہ کوئی اُس کے ماسوا دیکھا

یعنی تاشقندی مخطوطے کے مطابق ہے۔

(۳) تاشقندی مخطوطے کا یہ مصرع

دید اپنے کی تھی اُسے منظور

اور نول کشور اڈیشن سنہ ۱۹۱۲ء کا مصرع

دید اپنے کی تھی اُسے خواہش

نول کشور اڈیشن سنہ ۱۹۳۶ء میں نول کشور اڈیشن کے مطابق ہے۔ "منظور" کی جگہ "خواہش" ہی ہے۔

(محمد بشیر الحق دسنوی)

رسالہ سائنس کا دوبارہ اجرا

ہماری زبان مورخہ ۸ جون کے اڈیٹوریل نوٹ کے ذریعہ یہ اطلاع ملی کہ اس ادارے کی جانب سے 'سائنس' نامی رسالہ کے شایع کرنے کا دوبارہ انتظام کیا جا رہا ہے، اور ساتھ ہی 'رسالہ اُردو ادب' میں ایک خوش گوار تبدیلی پیدا کی جا رہی ہے۔ ایک حقیر رائے یہ ہے کہ سائنس کا رسالہ ایسا ہو جو عام اور خاص دلچسپیوں کا حامل ہو۔ چند اوراق نئی اور تازہ سائنسی ایجادات اور انکشافات کے لئے وقف کر دئے جائیں جو عام لوگوں کی دلچسپی کا مرکز ہوں، ایک دو مضامین ایسے ہوں جو خاص کر سائنس کے طلبہ کے لئے وقف ہوں اور چند اوراق بچوں میں سائنسی ذوق پیدا کرنے کے لئے ہوں، اس کے ساتھ ہی کل ہند انجمن ترقی اُردو کی شاخوں کو یہ ہدایت بھیجی جائے کہ وہ اس کے خریدار بنائیں، خاص کر اُردو اسکول، کالج اور مختلف اُردو اداروں میں اس کی کھپت کے لئے انجمن کی شاخوں کے افراد جنبش کریں۔ بمبئی شہر میں آپ کی انجمن ترقی اُردو اگر کام کا بیڑہ اٹھائے تو کافی سے زیادہ کاپیاں یہاں کے میونسپل اُردو اسکول، انجمن الاسلام کے اداروں کے اسکولوں اور مختلف علمی اور ادبی مراکز میں خریدی جا سکتی ہیں۔

(عبد الحی رضا)

معاصر

رشید عمر تھانوی

میرا باپ، سب کا شوکت تھانوی

اپنے دکھ درد کو سینے میں چھپا کر دوسروں کو ہنسانے والا البرٹ وکٹر ہسپتال کے کمرہ نمبر ۱۵ میں پڑا تھا۔ جگر کا سرطان۔ دل کا عارضہ تنفس کا یہ عالم کہ باہر کھڑا شخص سانس کی آواز سن سکے۔ کھانسی جب آتی تو تھوک میں خون کی آمیزش۔ کتنی تکالیف تھیں لیکن پھر بھی اپنی کسی تکلیف کا اظہار نہ کیا۔

زندگی بھر جس کے وجود سے سب کے لبوں پر مسکراہٹ کھیلتی رہی اب وہ آخری وقت اپنے روگ سے دوسروں کو پریشان کرتا یہ شہنشاہ ظرافت کا شیوہ نہ تھا وہ اپنے دکھوں کے بوجھ تلے دبتا چلا گیا۔

سب سے شوکت تھانوی چھن گیا۔ مجھ سے میرا باپ، سب کو اس کی ظرافت یاد آئی، مجھے اس کی شفقت —— شوکت تھانوی تو اب بھی زندہ ہے اور تا دم حشر اپنی تصانیف کی بدولت زندہ رہے گا۔ لیکن میرا باپ میٹھی نیند سو رہا ہے، سکھ کی نیند، جس میں نہ تو اسے تنفس کی تکلیف ہے نہ سرطان کا عارضہ — ہائے میں کس سے کہوں کہ کوئی اسے اس کی نیند سے چونکا دے، میرا بچپن پھر لوٹ آئے اس موڑ پہ جب ہم سب گرمیوں کی شب آنگن میں لیٹتے تھے — جب کسی شب بادل گرجتے، بجلی چمکتی، ابا ایک ہاتھ میں اپنا تکیہ دوسرے ہاتھ میں مجھے دبا کر کمرے میں لے آتے، کیونکہ ابا بجلی کی چمک سے بہت ڈرتے تھے۔

ابا نے آخری ایام میں "کچھ یادیں، کچھ باتیں" کے عنوان سے روزنامہ 'جنگ راولپنڈی' میں لکھا اور آخر کار اپنی ہی کچھ یادیں کچھ باتیں ہم سب کے لئے چھوڑ گئے — ان کی یادیں میرے دل میں ہیں۔ ان کی باتیں جو انھوں نے بستر علالت پر کیں، پیش خدمت ہیں۔

ایک دن ہسپتال کا ہاؤس سرجن ابا کو دیکھنے آیا اور دیکھنے کے بعد ابا کو یہ کہہ کر تسلی دی:

"شوکت صاحب آپ بہت جلد تندرست ہو جائیں گے۔"

ابا نے کہا۔ "ڈاکٹر صاحب واقعی آپ حسین آدمی ہیں۔"

ڈاکٹر نے ہنس کر کہا۔ "خیر حسین تو آپ بھی ہیں۔"

ابا۔ "اگر یہ ڈاکٹر کی تشخیص ہے تو میں یقیناً حسین ہوں۔"

ڈاکٹر۔ "جی ہاں، جی ہاں، لیکن دیکھئے آپ کھاتے کچھ نہیں، آپ کچھ نہ کچھ ضرور کھا لیا کیجئے۔"

ابا۔ ڈاکٹر صاحب! ابھی تو آپ نے کہا کہ میں حسین ہوں، اور اب کہتے ہیں کہ میں کچھ کھایا بھی کروں۔ حالانکہ آپ کو معلوم ہے! ع

خدا جب حسن دیتا ہے نزاکت آ ہی جاتی ہے

فضل کریم فضلی صاحب ہسپتال میں ان کو روز دیکھنے آتے تھے۔ ایک دن جب وہ آئے تو ابا کا دل بڑھانے کی غرض سے چلا کر کہنے لگے۔ "ارے شوکت! ماشاءاللہ! آج تو تمہارے چہرے پر بہت رونق ہے۔"

ابا نے فوراً برمحل شعر پڑھا۔

ان کے دیکھے سے جو آ جاتی ہے منہ پر رونق
وہ سمجھتے ہیں کہ بیمار کا حال اچھا ہے

ابا ایک صاحب سے بہت بدگمان تھے۔ انہی حضرت نے ابا کی طبیعت معلوم کرنے کے لئے اپنے کسی دوست کو بھیجا۔ ان حضرت نے اپنا تعارف کرا کے ابا سے طبیعت پوچھی تو ابا نے جواب دیا "جب آپ ان محترم سے ملئے گا جنھوں نے آپ کو بھیجا ہے تو ان سے کہہ دیجئے گا کہ جب میں شوکت کو دیکھنے گیا اس وقت وہ ورزش کر رہا تھا۔"

ابا گھڑی گھڑی وقت پوچھتے تھے۔ ایک دفعہ میرے سب سے بڑے بھائی سعید عمر تھانوی سے پوچھا: "سعید بیٹے کیا وقت ہوا ہے"

بھائی "ساڑھے آٹھ"

ابا "دن کے رات کے"

بھائی نے بتایا کہ "رات کے"۔ ابا نے اوہ کہہ کر آنکھیں بند کر لیں۔ ان کے چہرے سے معلوم ہو رہا تھا کہ رات کا نام سن کر بہت پریشان ہیں۔ کیونکہ ان کی ہر رات بڑی بے چینی اور تکلیف سے گزرتی تھی۔ پھر فوراً ہی آنکھیں کھول کر بھائی جان سے کہا "ایک شعر کہا ہے فوراً لکھ لو ؎

دن نکلتا ہے تو آتی ہے مجھے رات کی یاد
رات آتی ہے تو اک تازہ بلا آتی ہے

ایک دن میں ہسپتال آ رہا تھا، ابا کے کمرے کے باہر ایک محترمہ ملیں اور مجھ سے مخاطب ہوئیں۔ "معاف کیجئے گا! کیا آپ کمرہ نمبر ۱۵ میں جا رہے ہیں؟" میں نے کہا "ہاں" تو کہنے لگیں، "دیکھئے میں ٹریننگ نرس ہوں اور آج کل اسی ہسپتال کی مریضہ بھی، کیا میں شوکت صاحب کو دیکھنے اندر جا سکتی ہوں؟" میرے اثبات پر وہ اندر آئیں، ابا کو سلام کیا اور ایک منٹ وہیں کھڑی رہ کر واپس چلی گئیں۔ ابا نے مجھے قریب بلایا اور پوچھا "یہ کون تھیں" میں نے بتا دیا کہ "نرس تھیں، آپ کو دیکھنے کی مشتاق تھیں۔" ابا نے پھر پوچھا "نرس تھی؟" میں نے کہا "جی ہاں" پھر پوچھا "نرس ہی تھی؟" میں روانی میں "جی ہاں" کہہ گیا، پھر مجھے یکدم اپنی غلطی کا احساس ہوا لیکن اس سے پہلے ابا کہہ چکے تھے "ارے، ارے تو پھر اسے فوراً واپس بلاؤ، میں اس کے سر پہ ہاتھ پھیرنا چاہتا ہوں۔"

(دوست۔ ہفت وار)

حیرت بدایونی

حیدرآباد سے جوشؔ صاحب کی علیحدگی کے حقیقی اسباب

چند ماہ سے جوشؔ صاحب کی علیحدگی کے متعلق مختلف قسم کی قیاس آرائیاں ہو رہی ہیں۔ لیکن چشم دید اور بالکل صحیح واقعات کسی نے نہیں لکھے۔ چونکہ ابھی جوشؔ صاحب اور اکثر وہ اصحاب جو واقف ہیں بقید حیات ہیں، اس لئے میں نے مناسب سمجھا کہ وقت سے فائدہ اٹھا کر صاف صاف کیوں نہ لکھ دوں تاکہ قیاس آرائیوں کا سلسلہ ختم ہو جائے اور میری روایت کی تصدیق بھی کی جا سکے۔ اگرچہ داستان طویل ہے مگر میں اختصار پر اکتفا کرتا ہوں۔ ہاں تو ابتدا یوں ہوئی کہ "نگار" میں جوشؔ کی شاعری پر کچھ اعتراضات شائع ہوئے جوشؔ برہم ہو گئے۔ ایک نظم لکھ ڈالی جس کا عنوان تھا "چاندنی جان" یا صرف چاندنی تھا۔ بہرحال عنوان مجھے ٹھیک سے یاد نہیں۔ شام کو حسب معمول میرے یہاں جب سب میخوار و پرہیزگار جمع ہوئے تو جوشؔ نے وہ تازہ ترین طبع زاد جو گزشتہ رات کی پیداوار تھی، سنائی۔ ہر شخص اس ہجو سے اپنی ذہنیت اور مذاق طبیعت کے لحاظ سے محظوظ ہوا۔ دوسرے دن صبح کو جب جوشؔ دفتر گئے تو وہ نظم مولانا عمادی، مولانا ابوالخیر مودودی، مولوی مسعود علی محوی صدیقی کو بھی سنائی پھر علی اختر ہاشمی فرید آبادی وغیرہ کو بھی اسی دن سنائی اور سب نے حوصلہ افزائی فرمائی۔ بلکہ مولانا ابوالخیر مودودی نے تو سب سے زیادہ تعریف کی۔ لیکن مولانا ابوالخیر نے کہا کہ ہم لوگوں کو سنا کر جی خوش کر لینے سے کیا فائدہ۔ اگر جرأت ہے تو اس نظم کو آپ نیاز کے پاس بھیجئے اور جواب کا انتظار کیجئے۔ یہ گفتگو ہو ہی رہی تھی کہ معلوم ہوا کہ ہوشؔ بلگرامی کے مشورے سے وہ نظم علی اختر نے نیاز کو بھیج دی اور نیاز کو جلد سے جلد حیدرآباد آنے کی دعوت بھی ہوشؔ بلگرامی نے بھیجی ہے۔ ہماری بیٹھک تو روزانہ ہوا ہی کرتی تھی۔ چار پانچ دن کے بعد احباب میں سے کسی نے کہا کہ آج نیاز آ گئے اور ہوشؔ کے یہاں مقیم ہیں ہوشؔ و نیاز کے درمیان مشورے ہو رہے ہیں جن میں علی اختر بھی شریک رہتے ہیں۔ اب گویا جوشؔ اور ہوشؔ ان دونوں قافیوں کی دو پارٹیاں باقاعدہ ہو گئیں۔ نیاز چند روز قیام کر کے واپس چلے گئے۔ اور سال بھر تک "نگار" میں جوشؔ کی مخالفت کرتے رہے۔ بلکہ جوشؔ اور علی اختر کی شاعری کا تقابل کر کے علی اختر کو جوشؔ کے مقابلے میں خوب بڑھایا چڑھایا۔ دربار شاہی میں ہوشؔ بلگرامی کی کمان چڑھی ہوئی تھی۔ انھوں نے روزانہ کنگ کوٹھی میں نظام سے جوشؔ کے خلاف لگائی بجھائی شروع کر دی۔ یہاں تک نظام کے کان بھرے کہ نظام کا غصہ انتہا کو پہنچ گیا۔ جوشؔ صاحب کو تو کبھی اپنی زبان و قلم پر قابو رہا نہیں ان کی بھی نثر و نظم کا سلسلہ بڑی جرأت و بے باکی سے بلکہ پہلے سے بھی کچھ زیادہ زور و شور سے جاری رہا۔ اڑتی اڑتی خبریں بھی ہم لوگوں کو ملتی رہیں کہ اعلیٰ حضرت اب ہر مصاحب سے جوشؔ کی شکایت کرتے ہیں اور ؎

مشورے ہو رہے ہیں آپس میں
بھیجتے ہیں مجھے بنارس میں

مگر معظم جاہ کے دربار میں جوشؔ کی شرکت ابھی تک جاری تھی۔ ایک دن شام کو جب ہم سب مل بیٹھے تو جوشؔ نے مجھے اور مولانا اعجاز الحق قدوسی کو مخاطب کر کے کہا کہ بھئی یہ شہید یار جنگ بھی عجیب آدمی ہیں۔ رات پرنس کے یہاں مجھے علیحدہ بلا کر لے گئے اور آہستہ سے کان میں کہا کہ جوشؔ صاحب ہم تو آپ کو شہزادے کے دربار میں اس لئے لائے تھے کہ آپ شہزادے کو فرقۂ امامیہ کے کچھ مسائل و مباحث سمجھائیں گے مگر آپ تو ان کو اور بے عملی و عیش و عشرت کی طرف مائل کر رہے ہیں۔ اس کی خبر سرکار کو بھی روزانہ پہنچ جاتی ہے اور سرکار آپ سے بہت ناراض ہیں۔ میں نے کہا کہ نواب صاحب پہلے مجھے مسلمان تو کر لیجئے اس کے بعد مجھ سے تبلیغ کرائیے۔ اب رہ گئی نظام کی ناراضگی، اس کی مجھے پروا نہیں۔ پابندی سے دفتر کی ملازمت کرتا ہوں، حلال کی روٹی کھاتا ہوں۔ نظام کی خوشنودی حاصل کرنا میرے فرائض میں نہیں ہے۔

اس واقعہ کے بعد سے شہید یار جنگ بھی جوشؔ کے ہم نوا بن گئے۔ اب روزانہ ادھر کی خبریں ادھر اور ادھر کی ادھر آنے لگیں۔ اسی دوران میں جوشؔ نے ایک نظم لکھی، جس کا ایک شعر یہ ہے :

کبھی جوشؔ کی نظم کی مدح فرما
کبھی دلبروں کی ثنا خوانیاں کر

اس نظم کی نقل بھی ہوشؔ بلگرامی تک پہنچ گئی اور انہوں نے نظام تک پہنچا دی۔ اور جوشؔ پر یہ الزامات لگائے جانے لگے۔ لامذہب۔ دہریئے۔ انگریزوں کے دشمن۔ انقلابی نعرے لگانے والے بالشویک (یعنی کمیونسٹ) حضور نظام کے سخت مخالف۔ رزیڈنسی کے معتوب۔ اور یہ نظم بھی

جوشؔ نے سرکار کے ہی خلاف لکھی ہے۔ ہوشؔ نے وہ نظم ملاحظۂ خسروی میں پیش کردی۔ اب غصّہ نظام کے لئے ناقابل برداشت تھا۔ اگر ہوشؔ بلگرامی خبر رسانی کی یہ خدمت انجام نہ دیتے تو نظام کو کانوں کان بھی خبر نہ ہوتی کہ کنگ کوٹھی کی چار دیواری کے باہر کون کیا کر رہا ہے۔

بہر حال محولہ نظم اور متذکرہ بالا شعر کو بنیاد قرار دے کر آخر وہ دن آہی گیا کہ جوشؔ کو حیدرآباد سے چلے جانے کا فرمان صادر ہو گیا۔ جوشؔ اکثر فانیؔ سے کہا کرتے تھے کہ فانی دیکھو بلد سے جلد حیدرآباد چھوڑ دو۔ یہ شاعروں کا قبرستان ہے۔ جو یہاں آیا پھر واپس نہیں گیا۔ یہیں دفن ہو گیا۔ داغ۔ امیر جلیل سب یہیں دفن ہیں۔ میں تو اب حیدرآباد چھوڑ دوں گا تم بھی چھوڑ دو۔ ہم تم دونوں نے اب بہت ملازمت کرلی۔ اور خوب حیدرآباد کے دربار دیکھ لئے۔ مگر فانیؔ نے جوشؔ کی نہ مانی اور اپنے اس شعر پر عمل کیا ؎

فانیؔ ہم تو جیتے جی وہ میت ہیں بے گور و کفن
غربت جس کو راس نہ آئی اور وطن بھی چھوٹ گیا

لیکن جوشؔ نے خود کو حیدرآباد سے نکلوانے کے اسباب خود ہی پیدا کرلئے۔ فرمان میں تیاری سفر کے لئے چند روز کی مہلت بھی دی گئی تھی اور موٹر کار ساتھ لے جانے کی اجازت بھی۔ فرمان اخراج کے باوجود جوشؔ کے حریفوں کو یہ خطرہ تھا کہ کہیں جوشؔ معافی نہ مانگ لیں، یا سالار جنگ جوشؔ کی سفارش نہ کردیں۔ تو پھر دو ڈھائی سال کی مسلسل کوششوں پر پانی پھر جائے گا اور بنا بنایا کھیل بگڑ جائے گا۔

چنانچہ بعض حضرات نے جوشؔ سے کہا کہ آپ سیدھے کنگ کوٹھی چلے جایئے سرکار منتظر ہیں کہ آپ معافی مانگنے آئیں گے، اور آئندہ سے محتاط رہنے کا وعدہ کریں گے تو سرکار معاف فرما کر آپ کو بحال کردیں گے۔

جوشؔ نے کہا کہ میں چند ٹکوں کے لئے اپنا ضمیر اور کردار نہیں بیچوں گا۔ پائے مرا لنگ نیست ملک خدا تنگ نیست۔

یہ تھی مختصر روداد جوشؔ کے اخراج کی۔ جس پر اب مزید قیاس آرائیوں کی ضرورت نہیں ہے۔

سالہا سال گزرنے کے بعد برصغیر تقسیم ہوا۔ حیدرآباد میں پولیس ایکشن ہوا۔ پھر جوشؔ دہلی سے پاکستان چلے گئے۔ پھر پاکستان سے ایک مشاعرے میں مدعو ہو کر حیدرآباد آئے کنگ کوٹھی گئے۔ معظم جاہ نے چند دعوتیں کیں۔ ہوشؔ بلگرامی نے جوشؔ کو شاندار ڈنر پر بلایا پاکستان میں علی اختر سے بھی تعلقات خوشگوار ہو گئے۔ سابقہ دوستی و بے تکلفی بحال ہو گئی۔ غالباً نیاز سے بھی اچھے تعلقات ہو گئے ہوں گے۔

میں جب کراچی کے مشاعرے میں پہلی بار گیا تھا تو علی اختر کے مکان پر ایک شاندار ڈنر دیا گیا، جس میں جوشؔ اور میں دونوں تھے۔ دوسرے مقامی و بیرونی شعرا بھی مدعو تھے۔ کھانے کے بعد مشاعرہ بھی ہوا۔ خلاصہ یہ کہ ہونے والی بات ہو چکی تھی۔ زمانے کے امتداد اور دلوں میں دبی ہوئی محبت نے ناگوار واقعہ کو بھلا دیا۔ سابقہ دوستی اس طرح عود کر آئی جیسے کبھی کچھ ہوا ہی نہ تھا۔

تین زبانوں کے فارمولے پر وزیر اعظم نہرو کا اعلان

نئی دہلی، ۱۵ر جون۔ وزیر اعظم پنڈت نہرو نے آج یہاں ایک پریس کانفرنس کو خطاب کرتے ہوئے کہا کہ سہ لسانی فارمولا میں سنسکرت کے لئے کوئی گنجائش نہیں ہو سکتی۔ انہوں نے یہ بات مشہور صحافی مسٹر ظفر پیامی کے ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے کہی۔ مسٹر ظفر پیامی نے پوچھا تھا کہ آپ نے گذشتہ سال اپنی پریس کانفرنس میں میرے سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا تھا کہ تین زبانوں کے فارمولا میں اردو تو ہو سکتی ہے لیکن سنسکرت نہیں۔ کیونکہ سنسکرت کو ایک جدید ہندوستانی زبان نہیں کہا جا سکتا۔ اب حکومت اتر پردیش آپ کی اس رائے کو نظر انداز کرکے سنسکرت ہی کو تیسری زبان بنانے پر مصر ہے، آپ کی اس بارے میں کیا رائے ہے؟"

جواب میں وزیر اعظم نے کہا کہ "میں یوپی سرکار کے بارے میں کچھ نہیں کہنا چاہتا۔ لیکن میرا اب بھی یہ خیال ہے کہ تین زبانوں کا فارمولا جدید ہندوستانی زبانوں ہی کو ذہن میں رکھ کر بنایا گیا تھا۔ اس میں سنسکرت کو شامل نہیں سمجھا جا سکتا۔" (قومی محاذ)

بنارس ضلع اُردو کانفرنس

مرکزی حکومت ہند نے یہ طے کیا ہے کہ ہر صوبے کو ہندی اور انگریزی کے ساتھ کوئی تیسری جدید ہندوستانی زبان پڑھنی پڑے گی۔ اسے سہ لسانی فارمولا کا نام دیا گیا ہے اور شاید آئندہ جولائی سے اس کا نفاذ بھی ہو جائے۔ سیدھے سچے طریقے سے عمل کیا جائے تو یہ فارمولا انتہائی معقول اور منصفانہ ہے اور ہر بچہ اس فارمولے کے تحت اپنی مادری زبان میں تعلیم حاصل کر سکتا ہے۔ لیکن جب نیتیں درست نہ ہوں اور دیدہ و دانستہ دوسری تدبیروں سے کام لیا جا رہا ہو تو یہ مسئلہ ایک نازک مسئلہ بھی بن جاتا ہے۔

اس صورت حال پر غور کرکے کوئی مناسب رویہ اختیار کرنے کی غرض سے انجمن ترقی اُردو (ہند) بنارس ۱۹ر جون تا ۲۳ر جون ۶۳ء شہر کے مختلف حلقوں اور ضلع کے اہم مقامات پر جلسے کرکے اُردو ہفتہ منا رہی ہے۔ اور ۲۳ر جون بروز اتوار بوقت ۸½ بجے شب بنیا باغ زیر صدارت قاضی محمد عدیل عباسی ایڈووکیٹ، بستی بنارس ضلع اُردو کانفرنس کر رہی ہے۔

اس موقع پر ہر اُردو دوست سے درخواست ہے کہ وہ کانفرنس کو کامیاب بنائے۔

داعیان:- اراکین انجمن ترقی اُردو (ہند) بنارس

شری جگن ناتھ آزاد کے اعزاز میں جلسہ

۲ر جون ۱۰ بجے شب کو جگن ناتھ آزاد صاحب کے اعزاز میں مجلس ادب بنگلور کا خصوصی جلسہ زیر صدارت جناب محمود شریف صاحب منعقد ہوا۔

صدر محترم نے ریاست میسور میں اُردو زبان کی صحیح پوزیشن پیش کرتے ہوئے اُن تمام مشکلات کا ذکر کیا جو اس کی ترویج و ترقی اور تحفظ و بقا کے راستے میں حائل ہیں، اور پھر ہندوستان میں لسانی یکجہتی پر نظر ڈالتے ہوئے مجلس ادب کی خدمات کو سراہا۔

جناب مظہر رشید نے مجلس ادب کی پندرہ سالہ زندگی پر مختصر تبصرہ کیا۔ سب نے مل کر حکومت میسور سے اپیل کی کہ ریاست کی تیس فی صدی اُردو داں آبادی کا خیال کرکے آل انڈیا ریڈیو بنگلور سے اُردو میں نیوز بلیٹن نشر کرنے اور حکومت میسور کا انفارمیشن بلیٹن اُردو میں شایع کرنے کا انتظام کرے تاکہ اس کثیر آبادی کو حکومت کے منصوبوں اور اسکیموں کے مواد اور نتایج سے دلچسپی اور واقفیت رہے۔

آخر میں جناب جگن ناتھ آزاد صاحب نے اُردو کی عظمت اور ضرورت پر مختصر سی تقریر کی بنگلور کے ادبی ماحول اور شعرائے کرام کے پیش کردہ کلام سے متاثر ہونے کا اظہار کیا۔ پھر اپنے کلام سے شاعری کی جملہ صنفوں کے شہ پارے پیش کیے۔ آزاد صاحب کی یورپ اور بلاد اسلامیہ کے سفر کے دوران میں لکھی ہوئی نظموں سے سامعین بہت متاثر ہوئے۔ (اردو نامہ آزاد)

سہ لسانی فارمولا

انجمن ترقی اُردو بنارس کی مجلس عاملہ یہ تجویز متفقہ طور پر منظور کرتی ہے کہ سہ لسانی فارمولا میں کسی کلاسیکل لانگویج مثلاً سنسکرت کی شمولیت قطعی بے محل اور سہ لسانی فارمولا کی روح کے منافی ہے جیسا کہ اتر پردیش کے وزیر تعلیم آنریبل آچاریہ جوگل کشور نے دہلی کے وزرائے تعلیم کی کانفرنس میں یہ اصول تسلیم کرلیا ہے۔ لہٰذا لسانی فارمولا میں صرف اقلیت کی مادری زبان ہی جگہ پاسکتی ہے۔

یہ بھی طے ہوا کہ اس فارمولا کے متعلق ضروری وضاحت کے لیے آنریبل وزیر تعلیم و آنریبل وزیر اعلیٰ یوپی ڈائرکٹر و ڈپٹی ڈائرکٹر صاحبان تعلیمات۔ جناب کمشنر صاحب لسانی اقلیت۔ جناب انسپکٹر صاحب اسکولس اور مرکزی انجمن کو خطوط لکھے جائیں۔ یہ بھی طے ہوا کہ اُردو ہفتہ منایا جائے۔ اس کے لیے ایک سب کمیٹی بنائی گئی اور جناب ضمیر عالم صاحب اس کے کنوینر مقرر ہوئے۔

د۔ آ۔ رسول
(سکریٹری۔ انجمن ترقی اُردو بنارس)

صدر جمہوریہ ہند کو اعزازی ڈگری

نیویارک ۔ ۱۱ر جون ۔ ہندوستان کے راشٹرپتی ڈاکٹر رادھا کرشنن کو آج بعد دوپہر نیویارک یونی ورسٹی کے ایک خصوصی کنووکیشن میں ڈاکٹر آف لاز کی اعزازی ڈگری دی گئی۔ یہ تیسرا ایسا اعزاز ہے جو امریکہ میں راشٹرپتی کے دس روزہ قیام کے دوران میں انھیں دیا گیا ہے۔

ٹیگور کی یاد میں

ڈھاکہ۔ بنگلہ اکیڈمی اور بلبل اکیڈمی کے زیر اہتمام رابندر ناتھ ٹیگور کی یاد میں یہاں متعدد تقریبات منعقد ہوئیں جن میں مجلس مذاکرہ اور نغمہ و رقص کا پروگرام شامل تھا ٹیگور کی پیدایش کو ۱۰۲ سال گذر چکے ہیں۔

بلائی داہا (کشتیا) میں جہاں ٹیگور قیام کرچکے ہیں اُن کی یاد میں میوزیم بھی قائم کیا گیا ہے۔ پچھلے دنوں بھارت کے ڈپٹی ہائی کمشنر مقیم ڈھاکہ نے اس میوزیم کے لیے ٹیگور کی جملہ تصنیفات بطور تحفہ پیش کیں۔
(افکار۔ کراچی)

شیکسپیر کی چار سو سالہ سالگرہ

معلوم ہوا ہے کہ اگلے سال جب ولیم شیکسپیر کی چار سو سالہ سالگرہ منائی جائے گی تو دنیا بھر کی مشہور تھیٹر کمپنیاں برطانیہ آئیں گی۔ ہر کمپنی لندن کے آلڈوچ تھیٹر میں اپنے ڈرامے پیش کرے گی۔

ولیم شیکسپیر اسٹرٹیفرڈ اون ایون کے مقام پر ۲۳ر اپریل ۱۵۶۴ء کو پیدا ہوا تھا۔ اس جگہ اگلے سال فنون شیکسپیر کا میلہ منعقد کیا جائے گا۔ علاوہ ازیں لندن، اڈنبرا اور اسٹرٹیفرڈ اون ایون میں نمایشیں بھی منعقد کی جائیں گی۔

سالگرہ کے موقع پر برطانیہ کا محکمہ ڈاک مخصوص ٹکٹ جاری کرے گا۔ (رسالہ "برطانیہ" سے)

لینن لائبریری میں ہندستانی کتابیں

ماسکو میں لینن ریاستی لائبریری کا شمار دنیا کی سب سے بڑی لائبریریوں میں کیا جاتا ہے۔ اس میں ۱۶۳ زبانوں کی ۲ کروڑ ۲۰ لاکھ کتابیں جمع ہیں۔ اس عظیم ترین ذخیرے میں ہندستانی کتابوں کی تعداد گیارہ ہزار (۱۱۰۰۰) کے لگ بھگ ہے۔

بقیہ

اُردو رسم خط اور املا کی اصلاح کے بارے میں چند تجویزیں

اس اصول کو اگر تسلیم کر لیا جائے تو انگریزی کا بوٹ یوں لکھا جاسکتا ہے۔ بُ + (و + ا + ے) یعنی ب ابتدا بسکون۔ پھر اعراب جو کہ مرکب ہے واؤ الف اور بڑی یے سے۔

اس طرح اور بھی بہت سے غیر زبان کے لفظوں کا اعراب صحیح ادا ہو جائے گا۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو میرا مضمون "کشمیری رسم خط" مطبوعہ "اُردو ادب" ستمبر ۱۹۶۰ء۔

کرسیاں | ناشروں کو سب سے زیادہ جو چیز پریشان کرتی ہے وہ ہے نستعلیق کی کرسیاں۔ اس سے اوپر اور نیچے کی جگہ فضول ضائع ہوتی ہے۔ مثلاً کسی اخبار میں ایک چھ کالمہ سُرخی لکھی گئی جس میں ایک جگہ کاف ہے اور ایک جگہ میم۔ یہ سُرخی تو آئے گی اخباری سطر کی چھ سطروں میں، لیکن کاف کا مرکز ایک سطر اوپر اُٹھ جائے گا اور میم ایک سطر نیچے آ جائے گا۔ اس طرح پورے چھ کالم کی دو سطریں ضائع کرنا ہوں گی۔ اسی طرح بعض الفاظ کرسیوں کی وجہ سے اوپر نیچے بہت سی سطریں لے لیتے ہیں۔ مثلاً فلسطین، تنخیر۔ ایسے الفاظ پوری سطر کا توازن بھی خراب کر دیتے ہیں۔ اور ان کے برابر جو دوسرے لفظ ہیں اگر وہ کم سطروں والے ہوئے تو بہت حقیر لگتے ہیں۔ مثلاً اگر فلسطین اور مدینہ لکھا جائے تو صرف فلسطین نمایاں ہو گا۔ رسم خط کو اس قسم کا جانب دار نہ ہونا چاہیئے۔

اس لئے کوشش کی جائے کہ کرسیاں جہاں تک ممکن ہوں کم کی جائیں۔

کرسیاں کم کرنے کے لئے ایسی صورتیں اختیار کی جا سکتی ہیں جیسے کہ:

کاف ——— کاف ان موقعوں کو چھوڑ کر جب کہ اس کے بعد الف یا لام آئے سیدھے خط سے لکھا جاتا ہے جیسے کہ کیا، کیوں، کون، کے۔ لیکن جب اس کے بعد الف، لام یا کاف ہو تو گول لکھا جاتا ہے جیسے کہ کا، کل۔ لیکن پرانے منشیوں نے مذکورہ دو مقاموں کے علاوہ اور جگہوں پر بھی گول کاف لکھا ہے جیسے کہ ک کے، کو، کیا، کیوں۔

میری تجویز یہ ہے کہ گول کاف کے رواج کو ترقی دی جائے۔ اس سے سطریں کافی بچ جائیں گی۔

میم ——— نستعلیق کا میم جو ہوتا ہے وہ نیچے جاتے وقت پتلا ہو کر ایک مرتبہ موٹا ہوتا ہے اور پھر پتلا ہوتا ہے۔ اس طرح وہ کافی دور تک نیچے چلا جاتا ہے اگر اس کے درمیان کی موٹائی اڑا دی جائے تو اس کی دم کافی کم ہو جائے گی اور سطریں بچ جائیں گی، اسے رواج دیا جائے۔

جیم ——— جیم سے ماقبل کا حرف جس طرح اگر اس سے ہے، اس سے بھی سطریں بہت ضائع ہو جاتی ہیں چیخ، چنچل، نخرا اور تنخیر وغیرہ۔ بعض موقعوں پر خ حضرات نے اس طرح بھی لکھا ہے۔ مثلاً چیخ، چ خیخر۔ اس جوڑ کو قبول کر لیا جائے۔ یہ ایسا نستعلیق میں کھپ جائے گا۔

ب ک | لمبے دائرے والے حرفوں کے بھی کئی سائز ہیں کے لیے سائز کتابت میں کاغذ بہت ضائع کرتے ہیں۔ ا ان کے چھوٹے سائز کو استعمال کیا جائے۔ باقی پہلے اور کو ترک کر دیا جائے۔

شوشے اور جوڑ | بعض جوڑ ایسے ہیں کہ اگر ان کی جگہ بدل د تو کرسی میں کافی کمی ہو جائے گی جیسے کہ قلم میں میم کو لام کے نیچ جوڑنے کے بجائے وسط سے جوڑا جائے۔ اسی طرح فلسطین میں کا جوڑ لام کے وسط سے رکھا جائے۔ بعض جگہ شوشوں کو گھ اونچا بنانے سے بھی کرسی کم ہو جاتی ہے۔ جیسے فلسطین نون کو اوپر اُٹھانے کے لئے ہے کے شوشے کو اونچا کر دیا جا

بعض حروف | بعض حروف کئی کئی طرح سے لکھے جاتے اس سے کچھ اُلجھن پیدا ہو جاتی ہے۔ مثلاً دال، رے، عین او

دال ——— دال کے ماقبل جب کوئی متصل لفظ ہوتا تو اس کی شکل رے کی ہو جاتی ہے۔ جیسے کہ بید یہ شکل کافی اُلجھن پیدا کرتی ہے۔ اس لئے کوشش کی جائے کہ اس جگہ بھی دال کی شکل وہی رہے؟ یعنی بید یوں لکھا جائے:

بید، قد۔ یہ طرز تحریر نستعلیق میں خوب کھپ سکتا

رے ——— رے کی دو شکلیں ہیں۔ ایک لمبی اور ایک چھ لمبی بہت جگہ گھیرتی ہے اور کرسی کو بھی اوپر نیچے ہے۔ یہ ایسے لکھی جاتی ہے جیسے سر، پیر۔ لیکن رے کو کبھی چھوٹا بھی لکھا جاتا ہے جیسے سر، پہلی شکل کو ترک کر کے دوسری اختیار کرنا چا نستعلیق میں رائج بھی ہے۔

ع ——— عین کبھی تو ع رہتا ہے اور کبھی لعہ ہو ہے۔ پرانے کاتبوں نے کہیں کہیں لعہ کی جگہ بھی شکل استعمال کی ہے۔ مناسب ہو گا کہ لعہ شکل کو چھوڑ دیا جائے، اور ہر جگہ ع شکل استعمال کی اس سے املا کچھ آسان ہو جائے گا۔

م ——— میم دو طرح سے لکھی جاتی ہے۔ ایک ج میم کا سر نیچے ہوتا ہے۔ دوسری جس میں اوپر ہے۔ اوپر سر والی کبھی کبھی جب بیچ میں آتی ہے تو ف ا سے مشابہ ہو جاتی ہے۔ اس لئے اس کو قطعی ترک کر جانا چاہئے۔ مالی نہ لکھا جائے مالی لکھا جائے جمادار نہ لکھا جائے جمادار لکھا جائے۔

اس بات کی سخت ضرورت ہے کہ حروف کی کتابت کی پابندی کی جائے یعنی ان کو Standardize کیا جائے۔ اطا صاحبان نے اس بات کی کوششیں کی ہیں اور خطوں کی قلم قطاسے حد بندی کی ہے۔ لیکن اگر اسی حد بندی کو گراف کاغذ پر کر دیا جائے تو خوش خط بننا اور خط کو سمجھنا قدرے ان ہو جائے گا اور حروف کی مکمل معیار بندی ہو جائے گی۔ اف کے ایک انچی خانے بنوا کر ایک انچی قلم سے حرفوں کو عوایا جائے اور پھر سب سے اچھی شکل کو مستند قرار دے جائے۔ اس مستند شکل کے حرفوں کی ان کے گراف سمیت ف سائزوں میں فوٹو لے لئے جائیں۔ سب سے چھوٹا انچی رکھا جائے۔

خط کی معیار بندی کرتے وقت اس بات کو خاص سے دیکھنے کی ضرورت ہے کہ ہر قسم کے شوشوں کی بھی پابندی ہو، اور شوشوں میں خوبصورتی، جگہ کی کفایت ساتھ ساتھ اسی شوشے کو ترجیح دی جائے جو زیادہ ہ زیادہ جگہ میں فٹ ہو سکتا ہو۔ اسی طرح کرسی کو بھی ی طور سے سنبھالا جا سکے گا۔ مثلاً 'سا' کی شکل کے الفاظ بے۔ خطاط اس میں پہلے شوشے کو مختلف سطح تک اوپر جاتے ہیں۔ معیار بندی سے ایسی باتوں کا تعین کر دیا جائیگا۔

اگر اس کام کو ہم نے کامیابی سے کر لیا تو اُردو خط کی بہت سی دشواریاں قابو میں آ جائیں گی۔ یہ بات تو ہو ہی جائے گی کہ اگر دس کاتب ایک کتاب کو قدرے جلی لکھیں اور وہ فوٹو آفسٹ سے اس طرح چھاپی جائے کہ خط کا سائز کم کر دیا جائے تو دیکھنے میں ایسا معلوم ہوگا جیسے کہ ساری کتاب ایک ہی کاتب کی لکھی ہوئی ہے کیونکہ معیار بندی کی پابندی سے خطوں کا بہت کچھ اختلاف چھپ جائے گا۔ جو رہ جائے گا، وہ سائز کے کم ہونے سے غیر محسوس ہو جائے گا۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ اب مونوٹائپ یا مشین یا لائن ٹائپ میں بنائی جائے جو مذکورہ معیار بند حرفوں کے ٹکڑوں کو کمپوز کر سکے۔ یا کم سے کم ایسی ہو کہ جس حرف والے بٹن کو دبایا جائے اس حرف کا ٹکڑا ایک جگہ آ کر گر جائے۔ اس طرح کمپوز کرنے میں تلاش کا کام ختم ہو جائے گا۔ یہ ٹکڑے ایسے ہوں جن کو کمپوز کرنے کے بعد فوٹو آفسٹ کی چھپائی کے لئے فوٹو لے کر پلیٹ تیار کی جا سکے۔ اور اس کے بعد ٹکڑوں کو ان کی جگہ واپس کر دیا جائے یہ ایک طرح کا آفسٹ ٹائپ ہو گا۔